تلخیص شرح عقود رسم المفتی
بنام

فتوی دینے کے اصول وآداب

محمد حماد حنیف عطاری

تخصص فی الفقہ سال اوّل (2021ء) فیضان مدینہ جوہر ٹاؤن لاہور

فہرست

راجح قول کی اتباع لازمی ہے

راجح قول پر عمل کرنا اور اسی پر فتوی دینا واجب ہے، مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا ناجائز ہے۔ علماء نے اس کے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے، کیونکہ غیر راجح قول پر فتوی دینا خواہشِ نفس کی پیروی ہے اور شریعت کے معاملے میں خواہش نفس کی پیروی حرام ہے، اور راجح قول سے مراد وہ قول ہے کہ جسے اہل ترجیح فقہاء نے راجح قرار دیا ہو، کسی اور کی ترجیح کا اعتبار نہیں۔

طبقات فقہاء

مفتی مقلد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس فقیہ کے قول پر فتوی دے رہا ہے اس کا علمی مقام و مرتبہ اور وہ طبقات فقہاء میں سے کس طبقے کا ہے یہ جانتا ہو، تاکہ وہ مختلف آراء رکھنے والے فقہاء کے درمیان امتیاز کر سکے اور متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے پر قادر ہو سکے۔

فقہاء کے سات طبقات ہیں:

1- مجتہد فی الشرع

وہ مجتہدین جنہوں نے فقہ کے اصول و قواعد کی بنیاد رکھی اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید کیے بغیر ادلہ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) سے فروعی احکام کا استنباط کیا جیسے آئمہ اربعہ اور وہ آئمہ کہ جو اس معاملے میں ان کے نقش قدم پر چلے جیسے امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلی، امام اسحاق بن راہویہ، امام شعبی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

2- مجتہد فی المذہب

امام اعظم کے وہ تلامذہ جو آپ کے مقررہ کردہ اصولوں کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط کرنے پر قادر ہیں، ان اصحاب نے اگرچہ بعض جزئیات میں امام اعظم کی مخالفت کی ہے مگر اکثر قواعد میں یہ امام اعظم کی تقلید کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

3- مجتہد فی المسائل

وہ فقہاء کہ جو اصول و فروع میں امام اعظم کی مخالفت پر قادر نہیں، لیکن جن مسائل میں امام اعظم اور آپ کے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو، ان میں آپ کے مقررہ کردہ اصول و ضوابط کے مطابق احکام کا استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام شمس الائمہ سرخسی، امام ابو الحسن کرخی، امام شمس الائمہ حلوانی، امام فخر الاسلام بزدوی، اور امام قاضی خان وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔

4- اصحاب تخریج

وہ فقہاء کہ جو اجتہاد کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتے، مگر چونکہ یہ فقہاء، مذہب کے تمام اصول و ضوابط اور مسائل کے ماخذ کو مکمل طور پر جاننے والے ہوتے ہیں، اس لئے وہ اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اصول و ضوابط میں گہری نظر و فکر کے ذریعے اور فروعی مسائل میں ان کی امثال اور نظائر پر قیاس کر کے صاحب مذہب یا ان کے مجتہد تلامذہ میں سے، کسی سے منقول مجمل قول کی تفصیل یا مختلف احتمال رکھنے والے حکم کی تعیین کرنے کی قدرت و صلاحیت رکھتے ہیں جیسے امام رازی اور ان کے ہم مرتبہ فقہاء۔

فائدہ: ہدایہ میں جو بعض مقامات پر یہ الفاظ ہوتے ہیں: ”کذا فی تخریج الکرخی وتخریج الرازی“ وہ اسی قبیل سے ہیں یعنی امام کرخی اور امام رازی نے ان مسائل کی تفصیل بیان کی ہوتی ہے۔

5-اصحاب ترجیح

وہ فقہاء کہ جو بعض روایات کو دوسری روایات پر ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ھذا اولی، ھذا اصح روایة، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس، ھذا ارفق للناس جیسا کہ صاحب ہدایہ اور صاحب قدوری وغیرھما۔

6-اصحاب تمیز

وہ فقہاء کہ جو اقوی، قوی اور ضعیف اقوال کے مابین اور ظاہرُ الروایہ اور نادرُ الروایہ کے درمیان فرق کرنے پر قادر ہوتے ہیں، جیسے متون معتبرہ (کنز، مختار، وقایہ اور مجمع وغیرہ) کے مصنفین، یہ فقہاء اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایات نقل نہیں فرماتے۔

7-مقلدین

وہ فقہاء کہ جو ما قبل مذکور باتوں میں سے کسی پر قادر نہیں ہوتے، وہ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ تمام اقوال کو ایک جگہ جمع کر دیں۔

فائدہ: علامہ خیر الدین رملی ”فتاوی خیریہ“ کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں: کہ مختلف فیہ مسائل میں راجح، مرجوح کو پہچاننا اور قوت وضعف کے اعتبار سے کسی قول کے مرتبے کو جاننا، علم فقہ کی تحصیل میں خوب محنت اور تگ ودو کرنے والوں کی آخری آرزو ہوتی ہے (**یعنی ان باتوں کو پہچاننا بہت مشکل امر ہے**) لہٰذا مفتی اور قاضی پر فرض ہے کہ خوب تحقیق کے بعد جواب دے اور اپنی اٹکل سے کام نہ لے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتا کر اللہ پاک پر افتراء باندھنے سے ڈرے۔

کتب متاخرہ غیر محررہ سے فتوی دینا

وہ کتب متاخرہ کہ جن کی تحقیق وتنقیح نہیں کی گئی، ان میں سے کسی کتاب سے مسئلہ دیکھ کر فتوی دے دینا درست نہیں، جیسا کہ **"در مختار"**، **"الاشباہ والنظائر"**، **"قنیہ"**، **"شرح عینی علی الکنز"**، **"شرح ملا مسکین علی الکنز"** اور علامہ قہستانی کی **"شرح نقایہ"** وغیرہ؛ کیونکہ ان کتب میں بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے مسائل پہیلیوں کی مانند ہو گئے ہیں اور بہت سے مقامات پر مسائل کو نقل کرنے میں سقط واقع ہوا ہے (یعنی دوسری کتابوں سے مسئلہ نقل کرتے ہوئے کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں جن کی وجہ سے مسئلہ کچھ سے کچھ بن گیا ہے) اور ان کتابوں میں غیر راجح اقوال کو بھی ترجیح دی گئی ہے جن کا مذہب میں کوئی بھی قائل نہیں۔

کتب فقہیہ میں مسائل کو نقل کرنے میں واقع ہونے والی خطائیں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں سے بیس کتابوں تک ایک قول نقل ہوتا چلا آرہا ہوتا ہے، حالانکہ وہ خطا ہوتا ہے، اس مسئلہ کو پہلے بیان کرنے والے امام سے خطا واقع ہوئی ہوتی ہے، اور بعد میں آنے والے ائمہ اسی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو نقل کرتے رہتے ہیں۔

ایسے مسائل کی چند مثالیں:

1-استئجار علی تلاوۃ القرآن (تلاوتِ قرآن پر اجارہ کرنا)

صاحبِ جوہرہ نیرہ نے فرمایا: "مفتی بہ قول یہ ہے کہ تلاوت قرآن پر اجارہ کرنا درست ہے"، حالانکہ ان پر مسئلہ مشتبہ ہو گیا، کیونکہ اصل میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ "تعلیم قرآن پر اجارہ کرنا درست ہے" نہ کہ تلاوت قرآن پر، پھر ان کے بعد آنے والے مصنفین نے انہی کی پیروی کی اور ان کی بات نقل کرتے چلے گئے حالانکہ وہ صریح خطاء تھی۔

2-گستاخ رسول کی توبہ قبول ہونے کا مسئلہ

فتاوی بزازیہ میں شفاء شریف کے حوالے سے لکھا ہے: ''گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں اگرچہ وہ مسلمان ہو جائے اور ہمارے نزدیک اس کا قتل واجب ہے۔'' پھر مصنفِ فتاوی بزازیہ کے بعد آنے والے اکثر فقہاء نے آپ کے اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنی کتب میں تحریر کر دیا حالانکہ شفاء شریف میں یہ ہے کہ ''یہ شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے اور امام مالک کی ایک روایت ہے اور احناف کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہے۔'' اور یوں ہی یہ مسئلہ احناف کی اوّلین کتب میں بھی مذکور ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ قبول ہے، جیسے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، شرح مختصر امام طحاوی اور النتف فی الفتاوی وغیرہ میں۔

3-رہن کے ضمان کا مسئلہ

درر اور شرح مجمع میں مذکور ہے کہ اگر مرتہن بغیر گواہوں کے رہن کے ہلاک ہونے کا دعوی کرے تو اس پر ضمان لازم ہے۔ یہ مسئلہ دو باتوں کا تقاضا کر رہا ہے:

1-رہن کی قیمت جتنی بھی ہو چاہے دین سے کم ہو یا زیادہ مرتہن پر اس کا ضمان ہو گا۔

2-اگر دین کی ہلاکت پر مرتہن گواہ پیش کر دے تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گا۔

حالانکہ یہ امام مالک کا مذہب ہے اور جبکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ دین اور قرض میں سے جو کم قیمت ہے اس کا ضمان مرتہن پر لازم ہے، چاہے وہ گواہ پیش کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ضمان دے گا۔

صرف مطالعے کی بنیاد پر فتویٰ دینا جائز نہیں

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا کہ جو فقہ کی کتابوں کا خود سے مطالعہ کرتا ہے، اس کا فقہ میں کوئی استاد نہیں ہے، اور وہ اپنے مطالعے پر اعتماد کرتے ہوئے فتوی دیتا ہے، کیا اس کے لیے فتوی دینا جائز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے کسی صورت فتوی دینا جائز نہیں، کیوں کہ وہ ایک عام جاہل شخص ہے، جو وہ کہہ رہا ہے وہ اسے نہیں جانتا۔ بلکہ جو شخص معتبر اساتذہ سے علم فقہ حاصل کرتا ہے اس کے لئے بھی ایک دو کتابوں کو دیکھ کر فتوی دینا جائز نہیں۔ بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ تک فرمادیا کہ دس کتابوں کو دیکھ کر بھی فتوی دینا جائز نہیں، کیونکہ بسا اوقات دس بیس کتب بھی مذہب کے کسی ضعیف قول پر اعتماد کر لیتی ہیں، تو ضعیف قول میں ان کی تقلید بھی جائز نہیں۔ البتہ جو شخص علم فقہ کا ماہر ہو، اس نے ماہر اساتذہ سے علم فقہ حاصل کیا اور اور اس میں فقہ کا ایسا نفسانی ملکہ پیدا ہو گیا ہو کہ وہ صحیح اور غیر صحیح مسائل میں فرق کر سکتا ہو اور بنیادی مسائل کے ساتھ ساتھ ان کے متعلقہ فروعی مسائل کو بھی قابل قدر مقدار میں جانتا ہو، تو ایسا ماہر شخص لوگوں کو فتوی دے سکتا ہے۔

ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیناواجب ہے

امام محمد کی ظاہر الروایہ کتابوں کے مسائل پر فتویٰ دیناواجب ہے اگرچہ فقہانے ان کی صراحتاً تصحیح نہ کی ہو، ہاں! اگر اہل ترجیح نے ظاہر الروایہ کتب کے علاوہ کسی اور کتاب کی روایت کی تصحیح کی ہو تو پھر اس کی اتباع کرنا لازم ہے۔

مسائل حنفیہ کے طبقات

مسائلِ احناف کے تین طبقات ہیں:

1-مسائل اصول (ظاہر الروایہ)

وہ مسائل کہ جو اصحاب مذہب یعنی امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی ہیں، اور امام محمد کی ان چھ کتب میں موجود ہیں: مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، زیادات۔ انہیں "ظاہر الروایہ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسائل امام محمد سے ثقہ راویوں نے روایت کیے ہیں، یعنی: یہ مسائل امام محمد سے روایات متواترہ یا روایات مشہورہ سے ثابت ہیں۔

2-مسائل نوادر (غیر ظاہر الروایہ)

وہ مسائل کہ جو انہی اصحاب مذہب سے منقول ہیں، لیکن یہ وہ مسائل ہیں کہ:

1-جو امام محمد کی ان چھ ظاہر الروایہ کتب کے علاوہ دیگر کتب میں مذکور ہیں، مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات۔

2-اور وہ مسائل کہ جو امام محمد کے علاوہ دوسرے ائمہ کی کتب میں موجود ہیں، مثلاً امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب المجرد" اور امام ابو یوسف کی "کتاب الامالی" اور "کتاب الخراج" وغیرہ۔

3-اور وہ مسائل کہ جو روایات مفردہ سے مروی ہیں (یعنی جنہیں ایک ایک راوی نے روایت کیا ہے) مثلاً روایتِ ابن سماعہ، روایت ابن رُستم اور روایت ہشام وغیرہ۔

3-فتاویٰ وواقعات

وہ مسائل کہ جن کے بارے میں اصحاب مذہب سے کوئی روایت موجود نہیں تھی، تو جب متاخر مجتہدین سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے خود ان مسائل کا استنباط کیا۔

فتاویٰ اور واقعات کی کتب: اس موضوع پر سب پہلی کتاب فقیہ ابو لیث سمرقندی کی "کتاب النوازل"، واقعات ناطفی اور واقعات صدر الشہید وغیرہ۔

چند فوائد:

1-**اُمالی کسے کہتے ہیں:** اُمالي املاء کی جمع ہے جس کا معنی ہے لکھوانا، اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ کوئی عالم بیٹھ جاتا اور اس کے گرد اس کے تلامذہ کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے اور اللہ پاک نے اس عالم کے دل پر جو علم کے خزانے ظاہر فرمائے ہوتے، وہ زبانی انہیں لکھواتا اور طلباء انہیں لکھتے جاتے، پھر جو انہوں نے لکھا ہوتا وہ انہیں جمع کر لیتے اور اس طرح ایک مستقل کتاب بن جاتی۔ ایسی کتاب کو املاء یا اُمالي کہا جاتا ہے۔

2-امام محمد سے مروی مبسوط کے کئی نسخے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ مشہور نسخہ ابو سلیمان جوزجانی کا ہے۔

3-امام محمد کی ظاہر الروایہ کتب کو "کتب ُالاصول" بھی کہتے ہیں اور نوادر کتب کو "کتب غیر الاصول" کہتے ہیں۔

4-امام محمد کی مسبوط "الاصل" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اسے امام محمد نے سب سے پہلے تحریر فرمایا۔

5-امام محمد نے سب پہلے مسبوط پھر جامع صغیر پھر جامع کبیر پھر زیادات پھر سیر صغیر اور پھر سیر کبیر تصنیف فرمائی۔

روایۃ الاصول اور ظاہر الروایۃ میں فرق

روایۃُ الأصول اور ظاہرُ الروایۃ میں کوئی فرق نہیں، ظاہر الروایۃ سے مراد وہ روایات ہیں جن کو امام محمد نے اپنی کتب ستہ میں نقل فرمایا اور انہی کتب کو کتب الاصول اور ان کی روایات کو روایۃ الاصول بھی کہا جاتا ہے۔

لیکن علامہ ابن کمال پاشا نے اس میں فرق بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ مبسوط سرخسی میں یہ مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت پر حج لازم ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اپنے محرم کے نفقہ پر قادر ہو۔ اور "محیط" اور "ذخیرہ" میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ امام حسن بن زیاد امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ عورت جب اپنے اور اپنے محرم کے نفقہ پر قادر ہو تو اس پر حج لازم ہے اور امام محمد سے اس مسئلہ میں روایات مضطرب ہیں۔

یہ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن کمال پاشا فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ امام سرخسی کی ظاہر الروایہ سے مراد امام حسن بن زیاد کی امام اعظم سے روایت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ "ظاہرُ الروایہ" اور "روایۃُالاصول" میں فرق ہے۔ کیونکہ اصول سے مراد مسبوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات اور سیر کبیر ہیں اور ان کتابوں میں امام حسن بن زیاد کی روایات نہیں ہیں بلکہ صرف امام محمد کی روایات ہیں۔ تو علامہ سرخسی کا امام حسن بن زیاد کی روایت کو ظاہر الروایہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ جیسے ظاہر الروایہ کا اطلاق روایۃالاصول پر ہوتا ہے ایسے نادر الروایہ پر بھی ہوتا ہے۔

تو "ظاہرُالروایہ" اور "روایۃُالاصول" کے مابین عموم خُصوص مُطلق کی نسبت ہے۔

علامہ شامی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ محیط اور ذخیرہ کا یہ قول کہ یہ امام حسن بن زیاد کی امام اعظم سے روایت ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ "اصول" کی روایت اس روایت کے بر خلاف ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ امام حسن بن زیاد نے جو روایت نوادر کتب میں بیان کی ہے امام محمد نے اسے اصول کی کتب میں بھی بیان کیا ہو تو علامہ سرخسی کا یہ فرمانا کہ یہ روایت "ظاہر الروایہ" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد نے اسے اصول کی کتب میں بیان فرمایا ہے اور یہ امام محمد کی مضطرب روایت میں سے ایک روایت ہے، آپ کی بات تب ثابت ہو سکتی ہے کہ جب یہ روایت ظاہر الروایہ کتاب میں موجود نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جامع صغیر کی وجہ تالیف

امام ابو یوسف نے امام محمد سے ایک ایسی کتاب تالیف کرنے کا ارشاد فرمایا کہ جس میں وہ ان روایات کو جمع کریں کہ جو وہ امام ابو یوسف کے واسطہ سے امام اعظم سے روایت کرتے ہیں۔ تو امام محمد نے جامع صغیر تالیف فرمائی جسے امام ابو یوسف نے بہت پسند فرمایا، یہ 1532 مسائل پر مشتمل ہے۔

صغیر اور کبیر میں فرق

امام محمد نے اپنی جو کتابیں امام ابو یوسف کے سامنے پڑھی ہیں وہ "صغیر" کے نام کے ساتھ موصوف ہیں اور جو آپ کے سامنے نہیں پڑھیں وہ "کبیر" کے نام سے موصوف ہیں۔امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام محمد نے اپنی کتابوں میں جس مسئلہ میں اختلاف ذکر نہیں فرمایا وہ ائمہ ثلاثہ کا اتفاقی قول ہے۔

فائدہ: علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: کہ "صغیر" نامی کتابیں امام محمد کی امام ابو یوسف سے روایتیں ہیں اور "کبیر" نامی کتابیں امام محمد کی براہ راست امام اعظم سے روایتیں ہیں۔

سیر کبیر کی وجہ تالیف

امام شمس الائمہ سرخسی شرح "سیر کبیر" کے شروع میں فرماتے ہیں کہ "سیر کبیر" امام محمد کی سب سے آخری تصنیف ہے، پھر فرمایا کہ سیر کبیر لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ امام محمد کی سیر صغیر شام کے ایک عالم امام عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی کے ہاتھ میں پہنچی، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کس کی تصنیف ہے، بتایا گیا کہ محمد علیہ الرحمہ عراقی کی، امام اوزاعی نے فرمایا کہ "اہل عراق کا اس باب میں تصنیف سے کیا لینا دینا، ان کو اس کا علم کہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے غزوات تو شام اور حجاز کی جانب ہوئے ہیں نہ کہ عراق میں، وہ تو بعد میں فتح ہوا ہے۔

جب یہ بات امام محمد علیہ الرحمہ تک پہنچی تو آپ کو سخت ناگوار گزری۔ آپ نے اپنے آپ کو باقی کاموں سے فارغ کر کے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ جب یہ دوسری کتاب امام اوزاعی تک پہنچی تو فرمایا اگر اس کتاب میں احادیث شامل نہ ہوتیں تو میں کہتا کہ انہوں نے یہ علم وضع (ایجاد) کر لیا ہے۔ اللہ پاک نے ان کے اجتہاد میں درست جواب کی جہت کو متعین کر دیا ہے۔''

کافی اور مبسوط سرخسی

"کتابُ الکافی" حاکم شہید محمد بن محمد بن احمد عبداللہ کی تصنیف ہے اور یہ امام محمد کی چھ "ظاہر الروایہ" کتب کا مجموعہ ہے اور "مسبوط سرخسی" کتاب الکافی کی سب سے مشہور و معتمد شرح ہے، جو امام کبیر محمد بن محمد بن ابو سھل سرخسی کی تصنیف ہے۔

مبسوطات حنفیہ

احناف کی بہت سی مبسوطات ہیں:

1- مبسوط ابو یوسف

2- مبسوط امام محمد (جو اصل کے نام سے مشہور ہے۔)

3- مبسوط جرجانی

4- مبسوط خواھر زادہ

5- مبسوط شمس الائمہ حلوانی

6-مبسوط ابو یسر بزدوی

7-مبسوط علی بزدوی

8-مبسوط ناصر الدین سمرقندی

9-مبسوط ابولیث نصر بن محمد

10-مبسوط سرخسی

کیا مجتہد کے دو قول ہوسکتے؟

اُصول کی کتب میں کثیر علماء سے یہ منقول ہے کہ تناقض کی وجہ سے ایک مسئلہ میں مجتہد کے دو قول نہیں ہوسکتے اگر کسی مسئلہ میں مجتہد سے دو قول مروی ہیں، تو وہ دو وقتوں کے اعتبار سے ہیں یعنی پہلے ایک قول ارشاد فرمایا اور پھر اس سے رجوع فرما کر دوسرا قول ارشاد فرمایا، تو اگر متأخر قول معلوم ہو جائے تو وہی مجتہد کا مذہب ہوگا اور پہلا قول منسوخ قرار پائے گا۔

جبکہ علامہ شامی نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ مجتہد کے ایک مسئلہ میں دو قول ہوسکتے ہیں اور اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں جیسے مجتہد کے نزدیک کسی حکم کے بارے میں ادلہ متعارض ہیں اور کوئی وجہ ترجیح بھی موجود نہیں ہے یا پھر ایک دلیل کے مدلول میں مجتہد کی رائے مختلف ہے کیونکہ دلیل کبھی دو یا زیادہ وجوہ کا احتمال رکھتی ہے تو مجتہد ہر احتمال پر ایک جواب کی بنیاد رکھتا ہے۔

فائدہ: اختلاف اقوال وروایات کے چھ اسباب ہیں:

1-راویوں سے امام کی بات سننے میں غلطی کا ہونا۔

2-امام کا اپنے قول سے رجوع کرلینا مگر بعض راویوں کو اس کی اطلاع نہ ہونا۔

3-قیاس واستحسان کے اعتبار سے مسئلہ میں امام کے دو قول ہونا۔

4-حکم اور احتیاط کے اعتبار سے مسئلہ میں امام کے دو قول ہونا۔

5-دلائل میں تعارض کی وجہ سے امام کا حکم میں متردد ہونا اور دو قول کرنا۔

6-کسی دلیل کے مفہوم میں احتمال ہونے کی وجہ سے امام کا دو قول کرنا۔

نوٹ: اول ودوم اختلافِ روایت کے اسباب ہیں اور باقی اختلافِ اقوال کے۔

امام اعظم کے تلامذہ کے اقوال حقیقتاً آپ ہی کے اقوال ہیں

امام اعظم نے اپنے تلامذہ سے فرمار کھا تھا کہ میرے اقوال میں سے جس قول کی دلیل تمہارے نزدیک راجح وقوی ہو تم اسی کو اختیار کرو، اگرچہ میرے نزدیک راجح قول کوئی اور ہو، چنانچہ ہر شاگرد امام صاحب سے مروی کسی روایت کو لے لیتا اور اسے ترجیح دے کر اپنا قول بنالیتا۔

امام صاحب کے بڑے تلامذہ جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد سے یہ بات مروی ہے کہ ہم نے کسی مسئلہ میں جو بھی قول کیا ہے وہ ہماری امام اعظم سے روایت ہے۔

امام اعظم کے قول "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کا معنی

ابن شحنہ کبیر، امام اعظم کے اس قول کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جب کوئی صحیح حدیث مذہب کے خلاف ہو، تو اسی حدیث پر عمل کیا جائے گا، اور وہ حدیث ہی امام اعظم کا مذہب قرار پائے گی، اور مقلد اس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے حنفی ہونے سے خارج نہیں ہوگا، کیونکہ امام اعظم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہ حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں کہ مذہب کو چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل کرنے کی دو شرائط ہیں:

1-وہ عمل کرنے والا شخص، نصوص سے استدلال واستنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور نصوص میں محکم اور منسوخ کا علم رکھتا ہو (یعنی مجتہد ہو)۔

2-وہ حدیث مذہب کے کسی قول کے موافق ہو، اور اگر مذہب میں اس صحیح حدیث کے موافق کوئی قول موجود نہیں تو مجتہد کو بھی اس حدیث پر عمل کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ متاخر مجتہدین کو ایسا اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں کہ جو مذہب سے بالکل خارج ہو، کیونکہ اصحاب مذہب کا اجتہاد اس مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ قوی ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ اصحاب مذہب مجتہدین کے پیش نظر کوئی ایسی دلیل ہوگی، کہ جو اس صحیح حدیث سے بھی زیادہ راجح ہوگی، جس کی وجہ سے انہوں نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

کب امام اعظم کے قول پر فتوی دینا ضروری ہے اور کب نہیں

اگر کسی قول پر تینوں ائمہ (امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد) متفق ہوں، تو مقلد پر اسی قول کی اتباع لازم ہے اور مجتہد بھی اپنی رائے سے اس قول سے عدول نہیں کر سکتا، ہاں ضرورت اور تغیر زمان کی وجہ سے اس قول سے عدول کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اگر امام اعظم بھی اس دور میں ہوتے اور اس ضرورت اور تغیر زمان کو دیکھتے تو وہ بھی اپنے قول سے رجوع فرما کر اسی کے مطابق فتوی دیتے۔

اور اگر کسی مسئلہ میں ائمہ کے مابین اختلاف ہو تو اس کی چند صورتیں ہیں:

1-کسی قول پر صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم کے ساتھ ہے، تو اس صورت میں بھی امام اعظم کے قول سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔

2-امام اعظم کسی قول پر اکیلے ہیں، اور صاحبین بھی آپس میں کسی قول پر متفق نہیں بلکہ ان کے اقوال بھی آپس میں مختلف ہیں، تو اس صورت میں بھی ظاہر یہ ہے کہ امام اعظم کا قول راجح ہے۔

3-امام اعظم ایک قول پر ہیں اور صاحبین دوسرے قول پر اور اس قول پر دونوں (یعنی صاحبین) متفق ہیں تو اس صورت میں اَصَحّ یہ ہے کہ مقلِّد مفتی پر امام اعظم کے قول ہی کی اتباع لازم ہے اور مجتہد مفتی کو اختیار ہے کہ جس قول کی دلیل اس کے نزدیک قوی ہو وہ اس کو اختیار کر سکتا ہے۔

اور اگر ائمہ کے مابین اختلاف کی صورت میں امام اعظم کا کوئی قول موجود نہ ہو تو امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا جائے گا، اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر امام محمد کے قول کو اختیار کیا جائے گا پھر امام زفر اور پھر امام حسن بن زیاد کے قول کو، یہ تفصیل مقلد مفتی کے لئے ہے، بہر حال مجتہد مفتی کے لیے یہ ہے کہ اگر امام اعظم کا قول نہ ہو تو بقیہ ائمہ میں سے جس کے قول کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو وہ اسے اختیار کرے۔

نوٹ: لیکن علامہ شامی نے ثابت فرمایا ہے کہ جب صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم کے ساتھ ہو تو اس صورت میں بھی مجتہد قوت دلیل کی بنا پر امام اعظم کے قول کو چھوڑ کر دوسرا قول اختیار کر سکتا ہے۔

حاصل کلام: جب کسی قول پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو مجتہد اور مقلد کو اس سے عدول کرنا بالکل جائز نہیں، صرف ضرورت اور اسباب ستہ کی وجہ سے عدول کیا جاسکتا ہے جیسے استئجار علی القرآن والاذان والاقامۃ میں اصل مذہب (استئجار علی الطاعات باطل) سے ضرورت (ضیاع الدین) کی وجہ سے عدول کیا گیا۔

اور اگر کسی مسئلہ میں آئمہ مذہب کے مابین اختلاف ہو تو اس صورت میں بھی مقلّد امام اعظم کے قول سے عدول نہیں کر سکتا، اور اگر امام اعظم کا قول موجود نہ ہو، تو پھر امام ابو یوسف کا قول اختیار کرے گا، پھر امام محمد کا، پھر امام زفر کا اور پھر امام حسن بن زیاد کا قول اختیار کرے گا۔ اور مجتہد پر بھی اختلاف کی صورت میں امام اعظم کے قول کی اتباع لازم ہے، لیکن ایک صورت میں کہ جب امام اعظم ایک طرف اور صاحبین ایک طرف ہو، تو قوت دلیل کی بناپر وہ صاحبین کے قول کو اختیار کر سکتا ہے، اور اگر امام اعظم کا قول نہ ہو تو مجتہد قوت دلیل کی بناپر کسی قول کو بھی اختیار کر سکتا ہے۔۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں: کہ اگر صاحبین کا امام اعظم سے اختلاف اختلافِ عصر و زمان ہے، کہ زمانہ بدل جانے کی وجہ سے صاحبین نے امام اعظم کے قول کے برخلاف فتوی دیا، جیسے امام اعظم نے قضاء میں گواہوں کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کرنے کا فتوی دیا تھا، یعنی اگر گواہ ظاہری طور پر سچے ہیں، تو ان کی گواہی مقبول ہے، لیکن جب زمانہ تبدیل ہو گیا، لوگوں میں فِسق اور جھوٹ پھیل گیا، تو صاحبین نے امام اعظم کے برخلاف یہ فتوی دیا کہ گواہوں کی ظاہری عدالت کافی نہیں بلکہ گواہوں کا تزکیہ کیا جائے گا اور ان کے حالات وصفات کی چھان بین کی جائے گی۔

یا پھر صاحبین کا امام اعظم سے اختلاف ضرورت و تعامل کی وجہ سے ہے جیسا کہ مزارعت اور معاملہ وغیرہ میں کہ ان کے بارے میں امام اعظم کا فتوی ناجائز ہونے کا تھا، لیکن صاحبین نے جب امت کا اس میں تعامل دیکھا تو اس کے جواز کا فتوی دیا، ان دونوں صورتوں میں مجتہد اور مقلد صاحبین کے قول کو اختیار کریں گے۔

متاخر مجتہدین نے جس قول کو راجح قرار دیا اس کی اتباع لازم ہے

کسی مسئلہ میں آئمہ مذہب کے مابین اختلاف ہو تو مقلد پر تفصیل (قول امام پھر قول ابو یوسف پھر قول محمد) لازم ہے۔ لیکن اگر متاخر مجتہدین نے قوت دلیل، تغیر زمان یا کسی اور وجہ سے اس تفصیل کے خلاف کسی اور قول کو ترجیح دی ہو جیسا کہ امام اعظم کا قول موجود ہوتے ہوئے صاحبین کے قول کو ترجیح دی یا صاحبین میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دی یا پھر ان تینوں ائمہ کے مقابلے میں امام زفر کے قول کو ترجیح دی (جیسا کہ سترہ مسائل میں قوال زفر کو ترجیح دی گئی ہے) تو اس صورت میں مقلد پر اس قول کی اتباع لازم ہے۔

فائدہ: امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے قول لا یحل لأحد أن یُفتِیَ بِقَولنا حَتی یعلم مِن أَین قُلنا کا معنی: اس قول سے مراد یہ ہے کہ امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے اصولوں سے تخریج واستنباط کر کے امام اعظم یا آپ کے اصحاب کے قول کے مطابق فتوی دینا یعنی امام اعظم یا آپ کے اصحاب کا قول کس اصول پر مبنی ہے یہ بات جان کر، اس قول پر دوسری جزئیات کو متفرع کرنا۔

اگر کسی مسئلہ میں اصحاب مذہب سے کوئی روایت موجود نہ ہو

اگر کسی مسئلہ میں اصحاب مذہب (امام اعظم اور آپ کے اصحاب امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ) سے کوئی روایت موجود نہ ہو تو متاخر مجتہدین نے متفقہ طور پر جو قول ارشاد فرمایا ہے اس کو اختیار کریں گے، اور اگر اس مسئلہ میں متاخر مجتہدین کے مابین اختلاف ہو تو اکثر متاخر مجتہدین کے اس قول کو لیں گے کہ جس پر مشہور اکابر مثلا ابو حفص کبیر، ابو جعفر ہندوانی، ابولیث سمرقندی اور امام طحاوی وغیرہ نے اعتماد کیا ہے۔

اگر متاخر مجتہدین کا بھی کوئی قول موجود نہ ہو

اگر کسی مسئلہ میں نہ اصحاب مذہب سے کوئی روایت ہو اور نہ ہی متاخر مجتہدین سے، تو اس مسئلہ میں مفتی خوب غور و فکر کرے اور اس کی تحقیق میں خوب محنت کرے تا کہ وہ کوئی ایسا حکم پالے کہ جس کے ذریعے وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکے، اور وہ اس مسئلہ کے بارے میں اٹکل سے کوئی کلام نہ کرے اور اللہ پاک سے ڈرے کیونکہ فتوی دینا ایک بہت بڑا معاملہ ہے۔

فائدہ: اس بارے میں علماء کے دیگر اقوال بھی ہیں کہ جب مفتی مسئلہ مسئولہ کے بارے میں کسی کتاب میں کوئی حکم نہ پائے تو لَا اَدرِی (میں نہیں جانتا) کہہ دے یا اپنے سے زیادہ علم اور فقاہت رکھنے والے مفتی کی طرف رجوع کرے، وہ اپنی رائے سے فتوی نہیں دے سکتا، اور قواعد فقہیہ و ضوابط فقہیہ سے فتوی دینا بھی اس کے لئے حلال نہیں، کیونکہ چاروں مذاہب میں یہ بات طے شدہ ہے کہ فقہ کے قواعد اکثریہ ہیں کلیہ نہیں ہیں۔

راجح قول پہچاننے کے بارے میں چند قواعد

جب کسی مسئلہ میں دو قول موجود ہوں تو ان قواعد کے ذریعے ان میں سے راجح قول کی پہچان کی جائے گی:

1-عبادات میں امام اعظم کا قول راجح و مفتی بہ ہے، ہاں جب امام اعظم سے آپ کے مخالف کے قول کے موافق کوئی روایت مروی ہو تو تب اس روایت پر فتوی ہو گا۔

2-قضا کے مسائل میں امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ ہے، کیونکہ قضاء کے معاملے میں آپ کا تجربہ زیادہ ہے اور تجربہ کی زیادتی علم کی زیادتی کا سبب ہے۔

3-ذوی الارحام پر وراثت تقسیم کرنے کے تمام مسائل میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے اور یہی امام اعظم کی دو روایتوں میں سے مشہور روایت ہے۔

4-جب کسی مسئلہ میں قیاس اور استحسان دونوں ہو تو وہاں استحسان قیاس پر راجح ہو گا، سوائے 11 مسائل کے، کہ ان میں قیاس کو ترجیح ہے۔

5-ظاہر الروایہ قول راجح ہے مگر یہ کہ جب اس کے مخالف قول پر فتوی کی نص ہو تو تب وہ قول راجح ہو گا، ورنہ ہر حال میں ظاہر الروایہ ہی راجح ہے۔

6-جب کسی درایت (قیاس یا دلیل) کے موافق روایت (حدیث) آجائے تو اس سے عدول کرنا مناسب نہیں، یعنی وہ درایت راجح ہو گی۔

7-کسی مسلمان کی تکفیر کے معاملے میں اگر کوئی ایسی روایت موجود ہو کہ جس کے ذریعے اس پر کفر لازم نہیں آتا تو وہ روایت راجح ہو گی اگرچہ وہ ضعیف روایت ہو۔

8-جس قول سے مجتہد نے رجوع کر لیا ہے وہ اب مجتہد کا مذہب نہیں رہا، بلکہ وہ منسوخ ہو چکا ہے، لہذا اب اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور جس قول کی طرف مجتہد نے رجوع کیا ہے اب اسی پر عمل کیا جائے گا۔

9-متون شروح پر مقدم ہیں، یعنی متون کے اقوال شروح کے اقوال پر راجح ہیں، اسی طرح شروح فتاویٰ پر مقدم ہیں۔ کیونکہ کسی قول کا متن میں ہونا یہ اس کی ضمنی ترجیح ہے، ہاں اگر متن کے علاوہ کسی اور کو قول کی صراحتاً تصحیح کی گئی ہے تو تب وہ راجح ہوگا، کیونکہ تصحیح صریح، تصحیح التزامی پر مقدم ہوتی ہے۔

نوٹ: یہاں متون سے مذہب کے معتبر متون مراد ہے۔

معتبر متون

1۔البداية

2-مختصر القدوری

3۔المختار

4۔النقاية

5۔الوقاية

6۔الكنز

7۔الملتقی

فائدہ: علامہ ملاخسرو کا متن **غرر** اور علامہ تمرتاشی کا متن **تنویر** یہ معتبر متون نہیں ہیں، کیونکہ ان میں بہت سے فتاوی کے مسائل ہیں۔

راجح قول کے معاملے میں فقہی کتابوں کا منہج

1-فتاوی قاضی خان اور ملتقی الابحر میں اگر ایک مسئلہ کے بارے میں ایک سے زائد اقوال مذکور ہو تو ان میں سے پہلا قول راجح ہوگا، کیونکہ ان کتب کے مصنفین نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ پہلا قول راجح ذکر کرتے ہیں۔

2-ان دو کتابوں کے علاوہ دوسری کتب کہ جن میں اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے ھدایہ، اس کی شروحات، کنز کی شروحات، کافی النسفی، بدائع وغیرہ ان میں مصنفین کی عادت یہ ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں، تو امام اعظم کے قول کو آخر میں بیان کرتے ہیں، پھر ہر قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں اور آخر میں امام اعظم کے قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں جو دوسرے اقوال کے دلائل کے جوابات کو بھی متضمن ہوتی ہے، تو یہ امام اعظم کے قول کی ترجیح ہے، ہاں اگر مصنفین امام اعظم کے قول کے علاوہ کسی اور قول کی ترجیح پر نص کردیں تو تب وہ قول راجح ہوگا۔

3-اور اگر صاحب کتاب کی عادت معلوم نہ ہو، اور نہ ہی کتاب میں دلائل مذکور ہوں، تو اس صورت میں اگر کسی مسئلہ میں تین اقوال ذکر کیے گئے ہوں، تو یا پہلا قول راجح ہوگا یا آخری، درمیان والا قول راجح نہیں ہوگا۔

4-اور اگر کسی کتاب میں کسی مسئلہ کے بارے میں دو قول مذکور ہو اور ان میں سے صرف ایک قول کی علت بیان کی گئی ہو تو وہی قول راجح ہے۔

علاماتِ افتاء

جب کسی مسئلہ میں دو قول موجود ہو اور ان میں سے کسی ایک قول کی مندرجہ ذیل الفاظ سے میں کسی لفظ کے ساتھ تصحیح کی گئی ہو، تو وہی راجح ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔

تصحیح کے الفاظ: علیہ فتوی، بہ یفتی، بہ ناخذ، علیہ الاعتماد، علیہ عمل الامۃ، علیہ عمل الیوم، ھو الصحیح، ھو الاصح، ھو الاَظھر، ھو المختار فی زماننا، ھو فتوی مشایخنا، ھو الاشبہ، ھو الاوجہ وغیرہ

بعض الفاظ بعض سے زیادہ موکد ہیں، جیسے الفتوی کا لفظ الصحیح، الاصح، الاشبہ سے موکد ہے، اور بہ یفتی کا لفظ الفتوی علیہ سے موکد ہے، اور احوط، احتیاط سے موکد ہے، اور الاصح، صحیح سے موکد ہے، بعض علماء کے نزدیک لفظ صحیح، الاصح سے موکد ہے، لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے۔

جب دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہو تو ترجیح کے اسباب

جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں اور دونوں کی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ تصحیح کی گئی ہو تو جس قول میں مندرجہ ذیل مرجحات میں سے کوئی مرجح پایا جائے وہ راجح ہوگا اور اگر کسی قول میں کوئی مرجح نہ ہو اور دونوں قولوں کی تصحیح متکافی ہو (یعنی دونوں کی ایک جیسے الفاظ کے ساتھ تصحیح کی گئی ہو) تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس قول پر چاہے فتوی دے سکتا ہے۔

1-جب ایک قول کی تصحیح لفظ "الاصح" کے ساتھ ہو اور دوسرے قول کی لفظ "الصحیح" کے ساتھ تو مشہور قول کے مطابق لفظ الاصح والا قول راجح ہے۔

2-ایک قول کی تصحیح لفظ "الفتوی" کے ساتھ ہے اور دوسرے قول کی کسی اور لفظ کے ساتھ، تو لفظ "الفتوی" والا قول راجح ہوگا۔

(اور اگر دونوں قولوں کی لفظ الفتوی سے تصحیح ہو تو جس کی تصحیح حصر والے الفاظ یعنی علیہ الفتوی یا بہ یفتی سے ہو وہ راجح ہے)۔

3-دونوں تصحیح شدہ قولوں میں سے ایک قول متون میں موجود ہو، اور دوسرا متون کے علاوہ میں، تو متن والا قول راجح ہے۔

4-ان دونوں قولوں میں سے ایک قول امام اعظم کا ہے اور دوسرا آپ کے بعض اصحاب کا، تو امام اعظم کا قول راجح ہے۔

5-ان میں سے ایک قول ظاہر الروایہ ہے اور دوسرا غیر ظاہر الروایہ تو ظاہر الروایہ قول راجح ہے۔

6-ان میں سے ایک قول کے اکثر مشائخ قائل ہیں تو وہی راجح ہے۔

7-ان میں سے ایک قول استحسان ہے اور دوسرا قیاس، تو استحسان والا قول راجح ہے سوائے چند مسائل کے۔

8-ان میں سے ایک قول وقف کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے تو وہی قول راجح ہے۔

9-ان میں سے ایک قول اس زمانے کے لوگوں کے اور ان کے عرف کے زیادہ موافق ہے اور ان کے لئے اس میں زیادہ آسانی ہے تو وہ قول راجح ہے۔

10-ان میں سے ایک قول کی دلیل زیادہ واضح، ظاہر اور قوی ہے تو وہ قول راجح ہے۔

مفہوم مخالف کا اعتبار

مفہوم کی دو قسمیں ہیں:

1- مفہوم موافق

2- مفہوم مخالف

مفہوم موافق: لفظ، مسکوت کے لیے، منطوق کا حکم ثابت ہونے پر دلالت کرے صرف فہم لغت کے اعتبار سے یعنی یہ دلالت صرف لغت کے اعتبار سے ہو، رائے واجتہاد پر موقوف نہ ہو، جیسے ''لَا تَقُل لَهُمَا اُف'' کی دلالت مارنے کی حرمت پر۔

مفہوم مخالف: لفظ، مسکوت کے لیے، منطوق کے حکم کی نقیض (ضد) کے ثابت ہونے پر دلالت کرے۔

مفہوم مخالف کی چند قسمیں ہیں:

1- مفہوم صفت

کوئی حکم اسم صفت پر لگایا گیا ہو، تو جہاں وہ صفت نہیں پائی جائے گی وہاں حکم بھی نہیں پایا جائے گا، جیسے ''فی السائمة زكوة'' یعنی مباح گھاس چرنے والے جانوروں پر زکوۃ ہے تو جو جانور سائمہ نہیں ان پر زکوۃ بھی نہیں ہوگی۔

2- مفہوم شرط

کوئی حکم شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو، تو جب شرط نہ پائی جائے گی تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا، جیسے ''وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن''

3- مفہوم غایت

حکم کی کوئی حد مقرر کی گئی ہو تو اس غایت کے پائے جانے پر حکم ختم ہو جائے گا، جیسے ''حتی تنکح زوجا غیرہ'' یعنی جس عورت کو شوہر نے تین طلاقیں دے دی ہیں وہ اب اس کے لیے تب تک حرام ہے جب تک اس کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح اور جماع نہ ہو جائے۔

4- مفہوم عدد

کسی حکم کی تعداد معین کر دی گئی ہو تو یہ تعین اس تعداد سے زائد کی نفی کر رہی ہے، جیسے ''ثمانين جلدة'' یعنی تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارو۔

5- مفہوم لقب

حکم کسی اسم جامد پر معلق کیا گیا ہوں، تو اس اسم جامد کے علاوہ بقیہ سے حکم کی نفی ہوگی جیسے ''فی الغنم زكوة'' یعنی بکریوں میں زکوۃ ہے تو بکریوں کے علاوہ چیزوں میں زکوۃ نہیں ہوگی۔

احکام: مفہوم موافق بالاتفاق معتبر ہے، اور مفہوم مخالف احناف کے نزدیک صرف شارع کے کلام (قرآن وحدیث) میں معتبر نہیں، لوگوں کے کلام، فقہی روایات، صحابہ کے اقوال اور عقلی علتوں وغیرہ میں معتبر ہے۔

اور شوافع کے نزدیک مفہوم مخالف کی مفہوم لقب کے علاوہ تمام قسمیں مطلقاً معتبر ہیں یعنی شارع کے کلام میں بھی۔

نوٹ: احناف کے نزدیک مفہوم مخالف کلام شارع کے علاوہ میں بھی صرف تب تک معتبر ہے، جب تک وہ کسی صریح بات کے مخالف نہ ہو، تو جب مفہوم مخالف کے خلاف کوئی صریح بات آجائے تو صریح کو مقدم کیا جائے گا اور مفہوم مخالف لغو ہو جائے گا۔

عرف کا اعتبار

شریعت مطہرہ میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے اور کثیر مسائل کی بناء عرف وعادت پر رکھی گئی ہے یعنی عرف کے تبدیل ہونے پر ان مسائل کے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ بہت سے احکام کہ صاحب مذہب نے اپنے زمانے کے عرف کے اعتبار سے جن پر نص کی تھی وہ زمانہ کے تبدیل ہونے کی وجہ سے بدل چکے ہیں۔

اس کی چند مثالیں:

1-امام اعظم کے نزدیک اکراہ شرعی سلطان کے علاوہ کی طرف سے متحقق نہیں ہو سکتا، لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے جب دوسرے لوگ بھی اس پر قادر ہو گئے تو امام محمد نے اس بات پر فتوی دیا کہ اب اکراہ شرعی، سلطان کے علاوہ کی طرف سے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔

2-اصل مذہب میں اجیر مشترک ضامن نہیں ہوتا مگر متاخرین علماء نے اس کے ضامن ہونے کا فتوی دیا ہے۔

3-ہمارے زمانے میں فتوی اس پر ہے کہ وصی، یتیم کے مال کو مضاربت پر نہیں دے سکتا حالانکہ اصل مذہب میں اسے اس کا اختیار ہے۔

4-متاخرین علماء نے یتیم اور وقف کے منافع غصب کرنے والے پر ضمان کا فتوی دیا ہے حالانکہ اصل مذہب میں منافع کا ضمان نہیں۔

یہ سب احکام عرف وزمانے کے تبدیل ہونے کی وجہ سے تبدیل ہوئے ہیں۔

عرف کی بنا پر احکام میں تبدیلی کرنا

اگر اس زمانے میں بھی کوئی نیا عرف پیدا ہو جائے تو مفتی اس عرف کا اعتبار کرتے ہوئے حکم میں تبدیلی کرے گا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مفتی فقہی احکام میں درست نظر رکھتا ہوں اور شریعت کے قواعد کو جانتا ہوں تا کہ وہ اس بات میں فرق کر سکے کہ کس عرف پر احکام کی بنیاد ہے اور کس پر نہیں، کیونکہ متقدمین علماء نے مفتی کے لئے اجتہاد کو شرط قرار دیا ہے اور یہ تو ہمارے زمانے میں مفقود ہے، لیکن کم از کم یہ شرط تو ضروری ہے کہ مفتی مسائل کو ان کی شرائط وقیودات کے ساتھ جانتا ہوں کیونکہ فقہاء بارہا شرائط وقیودات کو علم فقہ حاصل کرنے والے کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی تصریح نہیں کرتے۔

اسی طرح مفتی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کا عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے واقف ہو اور اس معاملے میں کسی ماہر استاد سے تربیت حاصل کی ہو، تا کہ وہ ان مسائل کہ جن کا جواب عرف کے مطابق دیا جاتا ہے ان میں خطا کرنے سے بچ سکے۔

نوٹ: عُرف پر صرف تب عمل کیا جائے گا کہ جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو کیونکہ خلاف شرع عرف کا کوئی اعتبار نہیں جیسے سود، ظالمانہ ٹیکس وغیرہ کہ ان میں جتنا مرضی تعامل وعُرف ہو جائے یہ ہمیشہ حرام ہی رہیں گے۔

عرف کی اقسام

عرف کی دو اقسام ہیں

1-عرف عام 2-عرف خاص

عرف عام: اس سے عام حکم ثابت ہوتا ہے اور یہ قیاس اور حدیث کے لیے مخصص بن سکتا ہے یعنی اس کی وجہ سے قیاس کو ترک اور حدیث میں تخصیص ہو سکتی ہے۔

عرف خاص: اس سے حکم خاص ثابت ہوتا ہے اور یہ قیاس اور حدیث کے لیے مخصص نہیں بن سکتا یعنی عرفِ خاص سے حکم صرف اس وقت ثابت ہو گا کہ جب وہ قیاس اور کسی حدیث کے مخالف نہ ہو کیونکہ یہ مخصص بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مزید وضاحت: اگر "عرفِ عام" کی وجہ سے نص کو چھوڑنا لازم آئے تو تب عرف عام بھی معتبر نہیں، ہاں اگر صرف نص میں تخصیص لازم آئے تو تب اس کا اعتبار کیا جائے گا اور "عرفِ عام" کی وجہ سے قیاس کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔

اور "عرفِ خاص" ان میں سے کسی جگہ پر معتبر نہیں بلکہ یہ صرف عرف خاص والے لوگوں کے حق میں معتبر ہو گا اور وہ بھی تب کہ جب اس سے نص کا ترک یا تخصیص لازم نہ آئے، ہاں اگر عرف خاص، ظاہر الروایہ کے مخالف ہو تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر عرف خاص کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ قسموں کے متعارف الفاظ اور عقود (بیع و اجارہ وغیرہ) میں عرف خاص کا اعتبار ہے۔

ضعیف قول پر عمل کرنا کب جائز ہے

ضعیف قول پر عمل کرنا جائز نہیں، لیکن ضرورت شرعی کے وقت مقلّد ضعیف قول پر عمل کر سکتا ہے اور مفتی مضطر شخص (جسے ضرورت شرعی در پیش ہے) کو ضعیف قول پر فتوی بھی دے سکتا ہے، لیکن صرف ضرورت شرعی کے وقت ورنہ بلا ضرورت ضعیف قول پر عمل کرنا یا اس پر فتوی دینا جائز نہیں بلکہ راجح قول کی اتباع لازم ہے۔ بہر حال قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو نافذ نہیں ہو گا، اور قاضی کسی اور امام کے مذہب پر بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

فائدہ: مجتہد بغیر ضرورت شرعی بھی ضعیف قول پر عمل کر سکتا ہے لیکن وہ کسی اور کو ضعیف قول پر فتوی نہیں دے سکتا۔